ڈر کیسا؟

مائل خیرآبادی

نوٹوں کا لفافہ

ایک تھے چنّوں، ایک تھے منّوں۔ دونوں بھائی بھائی تھے۔

ایک بار دونوں سیر کو چلے۔ چلتے چلتے، چلتے چلتے گھر سے دُور نکل گئے۔ اچانک سڑک پر ایک لفافہ پڑا دیکھا۔ دونوں لفافے کی طرف بڑھے اُسے اٹھالیا، پھر ٹٹول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں تو دس دس روپیوں کے نوٹوں کی گڈی رکھی ہے۔ دونوں بہت خوش ہوئے۔ چنّوں نے گڈی جیب میں رکھ لی۔

نوٹوں کی گڈی جیب میں رکھ کر چلے تو دیکھا کہ ایک لڑکا انھیں دیکھ رہا ہے۔ دیکھے ہی جا رہا ہے۔ پھر وہ لڑکا ان کی طرف چلا۔ اب چنّوں منّوں سمجھے کہ شاید اس لڑکے نے نوٹوں کا لفافہ اٹھاتے دیکھ لیا۔ اگر اس نے آ کر پکڑ لیا تو چھین لے گا۔ بس یہ سوچ کر چنّوں منّوں بھاگ کھڑے ہوئے۔

لڑکے نے ان کو بھاگتے دیکھا تو وہ سمجھا کہ شاید یہ چور ہیں۔ بس وہ شور مچانے لگا۔ ''پکڑو پکڑو۔ چور، چور، چور۔'' یہ آواز سن کر کچھ لوگ چنّوں منّوں کو پکڑنے دوڑے۔ سب ''چور چور'' پکار رہے تھے۔ چنّوں منّوں بے تحاشہ بھاگے جا رہے تھے۔ راستے میں پولیس کے دو سپاہی کھڑے تھے انھوں نے ''چور چور'' کی آواز سنی اور دو لڑکوں کو بھاگتے دیکھا اور ان کے پیچھے ایک بھیڑ کو آتے دیکھا تو وہ بھی چنّوں منّوں کو پکڑنے دوڑے اور آخر چنّوں منّوں پکڑے گئے۔

''ہم چور نہیں ہیں۔ راستے میں یہ لفافہ پڑا دیکھ کر ہم نے اٹھا لیا۔ بس یہ لوگ ہمارے پیچھے دوڑے، ہم بھاگے۔ اب یہاں آپ نے پکڑ لیا۔'' چنّوں منّوں نے اس طرح کہتے ہوئے لفافہ سپاہیوں کو تھما دیا۔ سپاہیوں کے پاس اتنی دیر میں بھیڑ جمع ہو گئی۔ ایک سپاہی نے لفافہ کھولا۔ اس میں سے نوٹوں کے بدلے کاغذ کے سفید ٹکڑے نکلے یہ سب برابر برابر تھے اور تلے اوپر رکھے تھے۔ ان سب میں یہ بات لکھی تھی:

''پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گری پڑی چیز اٹھانے سے روکا ہے۔ بس جو شخص پیارے نبیؐ کو اللہ کا رسولؐ مانتا ہو اسے گری پڑی چیز نہ اٹھانا چاہئے ورنہ وہ دنیا و آخرت دونوں جگہ گھاٹے میں رہے گا۔''

سپاہیوں نے یہ بات پڑھ کر لوگوں کو سنائی۔ چنّوں منّوں نے بھی یہ بات سنی۔ دونوں دل میں کہنے لگے۔ سچ فرمایا پیارے نبیؐ نے۔ ہم نے آج یہ غلطی کی۔ آج ہی ذلیل ہوئے۔ اب آخرت میں اللہ ہم سے ناراض ہوگا۔ یہ خیال آتے ہی دونوں نے دل ہی دل میں توبہ کی۔ وہاں سے اپنے گھر آئے اور پھر کبھی ایسی غلطی نہیں کی۔



ڈر کیسا؟

ایک بادشاہ تھا، وہ بادشاہ ذرا ذرا سی بات پر غصّہ کرنے لگتا تھا۔ جہاں کوئی بات اس کی مرضی کے خلاف ہوئی بس وہ آگ بگولہ ہو گیا۔ پھر دو ایک جان لئے بغیر اس کا غصّہ کم نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنے ملک میں بہت ظالم مشہور تھا۔ لوگ اس کے سامنے جاتے ہوئے بید کی طرح کانپتے تھے۔

بادشاہ ہر روز حجامت بنواتا تھا۔ جو نائی حجامت بنانے جاتا، وہ بے چارہ ڈر کے مارے کانپا کرتا۔ ڈر کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بال بنانے میں ہاتھ کانپ جاتا اور بادشاہ کے کہیں نہ کہیں چرکا لگ جاتا۔ چرکا لگ جانے سے بادشاہ کہتا ''افّوہ! مار ڈالا'' پھر جب ذرا بھی خون نکل آتا تو بادشاہ نائی کو **قتل** کرادیتا۔ **توبہ! کیسا ظالم تھا بادشاہ۔**

اس طرح ہر روز ایک نائی کا قتل ہوتا۔ اب ڈر کے مارے کوئی نائی اس کی حجامت بنانے نہ جاتا۔ سب اِدھر اُدھر چھپتے پھرتے۔ اپنی جان بچانے کی سب کو فکر ہونی ہی چاہئے۔

جب بادشاہ نے دیکھا کہ کوئی نائی نہیں آتا ہے تو اس نے نائیوں کے چودھری کو بلایا اور اُسے حکم سنایا کہ اگر ہر روز میری حجامت نہ بنتی رہی تو گھر بار سمیت تم کو کولہو میں پلوادوں گا۔" بے چارے چودھری نے یہ حکم سنا تو روتا ہوا گھر کو چلا۔ گھر اور محلّہ والوں نے یہ بات سنی تو رونا پیٹنا پڑ گیا۔

اب سنئے! چودھری کا ایک لڑکا تھا۔ اس کی عمر تو چودہ پندرہ ہی برس کی تھی مگر تھا بڑا سمجھ دار۔ اس نے سوچا "کیا بات ہے جو بال بناتے وقت بادشاہ کے چرکا لگ جاتا ہے؟ وہ سوچتا رہا۔ سوچتا رہا۔ سوچتے سوچتے اس کی سمجھ میں آ گیا، وہ خوش ہو کر آگے بڑھا اور چودھری سے کہا۔ "ابّا جان! بادشاہ کے بال بنانے میں جاؤں گا۔" چودھری نے بیٹے کی زبان سے یہ سنا تو گلے لپٹا لیا اور بولا "بیٹے! میں مرنے کے لئے تم کو بادشاہ کے پاس جانے نہ دوں گا۔ پھر تم کو ٹھیک

سے بال بنانا بھی نہیں آتے۔"

اسی طرح اور لوگوں نے بھی لڑکے کو سمجھایا مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ اس نے کہا "آخر مرنا ہے، مرنے سے ڈر کاہے کا۔ لیکن آپ لوگ گھبراتے کیوں ہیں۔ موت اور زندگی تو اللہ کے بس میں ہے۔ ترکیب میری سمجھ میں آگئی ہے۔ اللہ نے چاہا تو میں کامیاب ہوں گا۔"

گھر اور محلّے کے لوگ گھبراتے ہی رہے مگر لڑکا قینچی اور اُسترا وغیرہ لے کر بادشاہ کے سامنے جا پہنچا۔ بادشاہ نے اُسے دیکھا تو ہنسا اور کہا "تو میرے بال کیا بنائے گا؟ کیا تجھے یہ معلوم ہے کہ اگر چرکا لگا اور خون نکلا تو مروا ڈالوں گا۔" لڑکے نے جواب دیا۔ "جی ہاں! مجھے معلوم ہے۔" اور یہ کہہ کر لڑکا بادشاہ کے بال بنانے لگا۔ بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا کہ لڑکے نے بہت جلد حجامت بنا دی اور کہیں چرکا بھی نہیں لگا۔ اس نے لڑکے سے پوچھا۔ "سچ کہو، کیا بات ہے؟ تم زیادہ ہوشیار بھی معلوم نہیں ہوتے۔ مگر بال جلد بنا دیئے اور مجھے تکلیف بھی نہیں ہوئی۔"

لڑکے نے جواب دیا۔ ''اے بادشاہ! اب تک جتنے لوگ حجامت بنانے آئے، وہ ڈر کی وجہ سے کانپتے رہتے تھے۔ اِس لئے بال بناتے وقت اُن کا ہاتھ کانپ جاتا تھا اور چرکا لگ جاتا تھا۔ میں نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ میں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ موت اور زندگی خدا کے بس میں ہے۔ بس بے دھڑک بال بنانے لگا۔ میں نے یہ بھی سوچ رکھا تھا کہ اگر چرکا لگا اور خون نکلا تو اسی اُسترے سے آپ کا گلا بھی کاٹ دوں گا تاکہ روز روز کی جھنجھٹ ختم ہو جائے اور اللہ کے بندے آپ کے ظلم سے بچ جائیں۔ بس اِسی نڈر پن کی وجہ سے میں کامیاب رہا۔ اے بادشاہ! اللہ سے ڈرنے والے کسی سے نہیں ڈرتے۔''

بادشاہ لڑکے کی سچائی اور نڈر پن کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ لڑکے کو بہت سا انعام دیا۔ پھر وہی لڑکا شاہی حجّام ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ لڑکے نے دھیرے دھیرے بادشاہ کے دل میں بھی اللہ کا ڈر پیدا کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے ظلم کرنا بالکل چھوڑ دیا۔



آدھا سا جھا

ایک تھا بادشاہ۔ اُسے مچھلی کھانے کا بہت شوق تھا۔اس نے دربانوں کو حکم دے رکھا تھا کہ مچھلی لانے والوں کو روکا نہ جائے اور انھیں فوراً باورچی خانے بھیج دیا جایا کرے۔

بادشاہ کے اس حکم سے مچھلی پکڑنے والوں کی بَن آئی۔ وہ تازہ تازہ مچھلی لاتے۔ بے دھڑک باورچی خانے چلے جاتے، وہاں مچھلی دیتے، بادشاہ کے سامنے حاضر ہوکر منھ مانگی قیمت پاتے اور خوش خوش واپس ہوتے۔

دربانوں کو یہ بات پسند نہ تھی۔ اُن کا قاعدہ تھا کہ وہ دوسرے تمام لوگوں سے رشوت لیتے، رشوت لئے بغیر کسی کو اندر جانے نہ دیتے۔ مجبور ہوکر لوگ رشوت دیتے۔ یہ حرام کمائی دربانوں کے منھ کو لگی ہوئی تھی۔ انھوں نے باورچی سے مل کر طے کیا کہ مچھلی لانے

والوں سے بھی کچھ نہ کچھ ضرور وصول کرنا چاہئے۔

اب جو شخص مچھلی لاتا، دربان اُسے روکتے اور کہتے کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ اب ایسی مچھلی لاؤ جو نر بھی ہو اور مادہ بھی۔ نہیں تو تمہاری مچھلی باورچی خانے نہ جاسکے گی۔

یہ سن کر مچھلی لانے والا بہت چکراتا۔ کہتا ''بھائی! ایسی مچھلی ہوتی ہی نہیں جو نر بھی ہو اور مادہ بھی۔ مچھلی یا تو نر ہوگی یا مادہ۔'' دربان کہتے ہم کچھ نہیں جانتے اب تو مچھلی ایسی ہی اندر جانے پائے گی۔ ہاں ایک صورت ہے۔ تم جو قیمت پاؤ اس میں سے آدھی ہمیں دو، پھر ہم خود بھی کہہ دیں گے اور شاہی باورچی سے بھی کہلا دیں گے کہ یہ مچھلی نر بھی ہے اور مادہ بھی۔

بہت سے مچھلی لانے والے بے وقوف بن گئے یہ غلط بات مان گئے، آدھی قیمت دربانوں کو دینے لگے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہر قسم کی مچھلیاں آنے لگیں۔ بادشاہ جب کھاتا تو اُسے اب وہ مزا نہ آتا۔ وہ بڑا حیران تھا۔

اب سنئے۔ ایک مچھلی والا بڑا سمجھ دار تھا۔ وہ مچھلی لے کر گیا۔

دربانوں نے اس سے بھی آدھی رقم بانٹ لینے کا وعدہ لے لیا۔

جب یہ مچھلی والا بادشاہ کے سامنے قیمت لینے کے لئے حاضر ہوا تو اس نے ایک عجیب بات کہی، اُس نے مچھلی کی قیمت دوسو کوڑے بتائی۔ بادشاہ یہ انوکھی اور نرالی قیمت سن کر بہت حیران ہوا۔ بولا ''ارے تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟'' مچھلی والے نے کہا ''حضور! میں یہی قیمت لوں گا۔'' بادشاہ نے اسے بہت سمجھایا مگر وہ کسی طرح نہ مانا۔ اب بادشاہ نے سمجھا شاید اِس کا دماغ کچھ خراب ہے۔ مجبور ہو کر اس نے سپاہیوں سے کہا ''یہ نہیں مانتا تو دھیرے دھیرے دوسو کوڑے اس کے لگا دو۔'' جب سو کوڑے پڑ چکے تو مچھلی والے نے کہا ''بس بس میں اپنا حصہ لے چکا، باقی حصہ دربان کا ہے۔

یہ سن کر بادشاہ بولا ''یہ کیا بات؟ مچھیرے نے کہا ''دربان نے یہ وعدہ لے کر مجھے آنے دیا ہے کہ میں مچھلی کی قیمت میں سے آدمی اُسے دوں۔'' بادشاہ پوری بات سمجھ گیا۔ دربان کو بلا کر سو کوڑے زور زور سے لگوائے اور مچھلی والے کو بہت کچھ انعام دے کر واپس کر دیا گیا۔



لکڑہارا اور شیر

ایک تھا لکڑہارا۔ روز جنگل جاتا، لکڑیاں کاٹ کر لاتا۔ لکڑیاں بازار میں بیچتا، جو پیسے مل جاتے ان سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتا۔

ایک دن وہ لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔ سامنے سے شیر آتا دکھائی دیا، پہلے تو وہ ڈرا۔ پھر ایک دَم خیال آیا۔ مرنے سے کیا ڈرنا۔ موت تو آئے گی اپنے وقت پر۔ اللہ نے جو طاقت دی ہے، اس سے کام لینا چاہئے۔'' یہ سوچ کر ہمت بندھی، سوچا، اسی کلہاڑی سے شیر کو مار گراؤں۔ جب تک دم میں دم ہے شیر سے لڑوں گا۔

لکڑہارا شیر سے لڑنے کے لئے تیار ہوگیا۔ اب جو دیکھا تو شیر اپنا ایک پنجہ اٹھائے ہوئے تھا۔ لنگڑا کر چل رہا تھا۔ نیچے سے خون بہہ رہا تھا۔

شیر کو زخمی دیکھ کر لکڑ ہارے کا ڈر اور بھی کم ہو گیا۔ نظر بھر کر شیر کی طرف دیکھا۔ شیر نے اُسے دیکھا۔ دیکھ کر دُم ہلانے لگا۔ جیسے کوئی پلا ہوا کتّا دُم ہلاتا ہے۔ اب تو لکڑ ہارے کی ہمّت اور بندھ گئی۔ کلہاڑی کندھے پر رکھ کر شیر کی طرف بڑھا۔ شیر نے جو اسے آتا دیکھا تو جھٹ لمبا لمبا لیٹ گیا اور اپنا زخمی پنجہ اوپر اٹھایا۔ لکڑ ہارے نے پاس آ کر دیکھا شیر کے پنجے میں ایک بہت بڑا کانٹا چُبھا ہوا تھا اور خون بہہ رہا تھا۔

زخمی شیر لیٹا ہوا تھا، پنجے سے خون بہہ رہا تھا۔ پہلے تو لکڑ ہارے نے سوچا، لاؤ، دو چار ہاتھ میں شیر کا کام تمام کر دوں۔ پھر خیال آیا۔ مجبور پر ہاتھ اٹھانا تو کوئی بہادری نہیں۔ ایسے حال میں تو مدد کرنا چاہیئے۔ ہونے کو تو یہ شیر ہے۔ جنگل کے تمام جانوروں میں سب سے زیادہ طاقت والا ہے۔ مگر دیکھو تو کیسا مجبور ہے۔ اپنے پیر میں چبھا ہوا کانٹا بھی نہیں نکال سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے انسان بنایا ہے۔ دو ہاتھ دیئے، ہاتھوں میں انگلیاں بنائیں، کیسے کام کی ہیں یہ

انگلیاں۔ یہ نعمت تو کسی جانور کو بھی نہیں ملی ہے۔ لکڑ ہارے نے اپنی انگلیوں کو دیکھا، اللہ کا شکر ادا کیا اور جھٹ سے کانٹا پکڑ کر کھینچ لیا۔ کانٹا نکلتے ہی شیر کا درد کم ہو گیا، وہ اٹھ بیٹھا اور اپنا سر لکڑ ہارے کے قدموں میں رکھ کر اُس کے جوتوں کو اپنی زبان سے چاٹنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ لکڑ ہارے کا شکریہ ادا کر رہا ہے۔ لکڑ ہارے نے بھی شیر کے سر پر ہاتھ رکھا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ دونوں ایک دوسرے کے بڑے دوست ہو گئے ہیں۔

تھوڑی دیر میں شیر دُم ہلاتا ہوا جنگل کی طرف چل دیا اور لکڑ ہارا اپنے گھر لوٹ آیا۔ گھر آ کر سارا قصہ دوستوں کو سنایا۔

لکڑ ہارے کے دوستوں نے اس کا قصہ سنا۔ ایک دوست بولا۔ ''تم نے بڑی غلطی کی، جو شیر کے پیر کا کانٹا نکالا، اگر کانٹا نکلنے کے بعد وہ تم پر جھپٹ پڑتا تو کیا ہوتا؟'' دوسرا بولا۔ ''تم بڑے بے وقوف ہو، شیر مار ڈالتے تو کیسا اچھا ہوتا۔ لوگ تم کو بہادر کہتے اور شیر کی کھال تو بڑی قیمتی ہوتی ہے۔ تم کئی دن تک لکڑیاں ڈھونے کی مصیبت سے بچ

جاتے۔‘‘ اسی طرح لوگوں نے اسے بے وقوف بنایا۔ مگر ایک دوست ایسا بھی تھا جس نے کہا۔ ’’تم کو یہی کرنا چاہئے تھا، جو تم نے کیا۔ تم نے ایک مجبور کی تکلیف دُور کی، اللہ تم سے خوش ہوگا۔ اللہ کی خوشی سب سے بڑی دولت ہے۔‘‘

اب آگے سنئے:

لکڑہارا جس شہر میں رہتا تھا وہاں ایک راجہ راج کرتا تھا۔ راجہ بہت بُرا تھا، اُس کا حکم تھا کہ جو کوئی اس کے سامنے آئے، اسے جھک کر سلام کرے اور ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑا رہے۔

لکڑہارا تھا تو غریب مگر تھا سچّا مسلمان۔ وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ وہ کہتا تھا کہ راجہ کا یہ حکم بالکل غلط ہے۔ انسان کا کام نہیں کہ انسان کے سامنے جھکے یا اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو۔ انسان صرف اللہ کے سامنے جھک سکتا ہے۔ اسی کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا ٹھیک ہے۔

لکڑہارا کبھی راجہ کے سامنے نہیں جاتا تھا۔ وہ اپنی غریبی میں بھی

خوش تھا۔ روز جنگل جاتا، لکڑیاں کاٹ کر لاتا، روکھی پھیکی روٹی کھا کر خوش رہتا اور اللہ کا شکر ادا کرتا۔

ایک دن لکڑ ہارا جنگل سے لکڑیاں لئے آ رہا تھا۔ سامنے سے راجہ کی سواری آ گئی۔ اب لکڑ ہارا کیا کرے وہ کہتا تھا کہ راجہ کے سامنے جھکنا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا بالکل غلط بات ہے اور راجہ کا حکم تھا کہ جو کوئی بھی سامنے آ جائے وہ جھکے اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو۔ جو کوئی ایسا نہ کرتا راجہ اسے بہت سخت سزا دیتا تھا۔

راجہ کی نظر لکڑ ہارے پر پڑی...... لکڑ ہارا نہ ہاتھ باندھے ہوئے تھا اور نہ جھک جھک کر سلام ہی کر رہا تھا۔ راجہ یہ دیکھ کر غصّے کے مارے سرخ ہو گیا۔ چلاّ کر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ "پکڑ لاؤ اس بے ادب کو، یہ ہے کون؟" سپاہی دوڑ پڑے۔ لکڑ ہارے کو پکڑ لائے، راجہ کے سامنے حاضر کیا۔ راجہ نے گرج کر کہا۔ "تو کون ہے؟ تو نے ہمارے سامنے ایسی بے ادبی کس طرح کی؟" لکڑ ہارا بولا "میں ایک لکڑ ہارا ہوں میں نے تو کوئی بے ادبی نہیں کی۔"

یہ سن کر تو راجہ اور بھی آگ بگولا ہو گیا۔ اپنے ایک افسر کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ''اس بدتمیز کو بتاؤ کہ اس نے کیا بے ادبی کی ہے۔''

راجہ کے اس افسر نے پہلے تو لکڑہارے کو بہت سی گالیاں دیں، پھر کہا کہ ''تو نے ہاتھ کیوں نہیں باندھے؟ اور جھک جھک کر سلام کیوں نہیں کیا؟''

لکڑہارا یہ سن کر بولا ''کسی انسان کا کام نہیں کہ انسان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو یا اس کے سامنے جھکے، ہاتھ باندھ کر تو صرف خدا کے سامنے کھڑا ہونا ٹھیک ہے اسی کے سامنے انسان کو اپنا سر جھکانا چاہئے، جو سر اللہ کے سامنے جھکے وہ بھلا کسی اور کے سامنے کیسے جھک سکتا ہے؟''

لکڑہارے کی یہ باتیں سن کر راجہ آپے سے باہر ہو گیا اس کا غصہ دیکھ کر بہت سے لوگ تو تھر تھر کانپنے لگے۔ مگر لکڑہارا خاموش کھڑا رہا۔ راجہ نے فوراً اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ''اسے لے جا کر جیل میں بند کر دو، کل اسے موت کی سزا دی جائے گی۔'' راجہ نے یہ بھی کہا کہ

لکڑ ہارے کو موت کی سزا سب لوگوں کے سامنے دی جائے تا کہ پھر کسی دوسرے کی یہ ہمّت نہ پڑے کہ وہ اس طرح بے ادبی کر سکے۔

راجہ کی یہ باتیں سن کر بھی لکڑ ہارا ذرا نہ ڈرا۔ بولا۔ ''مارنا اور جلانا تو خدا کے ہاتھ ہے۔ موت وقت سے پہلے نہیں آتی۔ اگر ابھی میری موت کا وقت نہیں آیا ہے تو کوئی مجھے مار نہیں سکتا اور اگر میری زندگی ختم ہو گئی ہے تو کوئی مجھے بچا نہیں سکتا۔''

سارے لوگ تعجب میں تھے کہ یہ لکڑ ہارا کس قسم کا آدمی ہے۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ جس شخص کا بھروسہ اللہ پر ہو وہ ایسی ہی باتیں کرتا ہے۔ راجہ کے سپاہی لکڑ ہارے کو پکڑ کر لے گئے اور جیل میں بند کر دیا۔

راجہ نے لوگوں کو سزا دینے کے لئے ایک نیا ڈھنگ نکالا تھا۔ ایک بڑا سا میدان بنوایا تھا۔ اس میدان کے چاروں طرف اونچی اونچی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اس میدان میں ایک طرف ایک دروازہ کھلتا تھا۔ جب کبھی کسی کو سزا دینا ہوتا تو اُسے اکیلا اس میدان

میں چھوڑ دیا جاتا اور دروازہ کھول دیا جاتا۔ یہ دروازہ ایک کوٹھری کا دروازہ تھا۔ اس میں ایک بھوکا شیر بند رہتا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی شیر اُس آدمی پر جھپٹ پڑتا اور ذرا دیر میں چیر پھاڑ کر کھا جاتا تھا۔ میدان کے چاروں طرف سیڑھیوں پر لوگ بیٹھے تماشا دیکھا کرتے تھے۔ خود راجہ بھی اپنے درباریوں کو لے کر تماشا دیکھنے آتا تھا۔

راجہ نے لکڑ ہارے کو بھی یہی سزا دینا طے کیا۔ اس نے حکم دیا کہ جنگل سے ایک شیر پکڑ کر لایا جائے اور اُسے کئی دن تک کوٹھری میں بھوکا بند رکھا جائے۔ پھر لکڑ ہارے کو میدان میں چھوڑ کر کوٹھری کا دروازہ کھول دیا جائے اور اس طرح لکڑ ہارے کو شیر چیر پھاڑ کر کھا جائے۔

راجہ کا حکم پاتے ہی لوگ دوڑ پڑے۔ جنگل میں اپنے ساتھ ایک بہت بڑا مضبوط کٹھرا لیتے گئے۔ ایسا سمجھو جیسے چوہا پکڑنے کے لئے چوہے دان ہوتا ہے۔ اس کٹھرے میں ایک بکری کا بچہ باندھ دیا اور خود کسی پیڑ پر چھپ کر بیٹھ گئے۔ جیسے ہی شیر کٹھرے میں گوشت

کھانے کے لئے گھسا، جھٹ رسّی ڈھیلی کر دی گئی۔ کٹھّرے کا دروازہ بند ہو گیا۔ اور شیر کٹھّرے میں پھنس گیا۔

شیر کو لا کر کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ سب لوگوں کو خبر دے دی گئی کہ جمعہ کے دن لکڑ ہارے کو شیر کے آگے ڈالا جائے گا۔ سب تماشا دیکھنے آئیں۔ لکڑ ہارے کی بات دور دور تک مشہور ہو گئی تھی۔ اسے دیکھنے کے لئے بہت لوگ آئے اور جب سزا کا دن آیا تو لکڑ ہارے کو میدان میں اکیلا چھوڑ دیا گیا۔

جمعہ کا دن آیا۔ لوگ چاروں طرف اونچی اونچی سیڑھیوں پر کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ راجہ بھی اپنے درباریوں کے ساتھ تماشا دیکھنے آیا تھا۔ بے چارے لکڑ ہارے کو اکیلا اس میدان میں چھوڑ دیا گیا۔ اب راجہ کے حکم کی دیر تھی۔ راجہ نے اشارہ کیا۔ حکم ملتے ہی کوٹھری کے دوازے کے کواڑوں کی زنجیر کھینچ لی گئی۔ زنجیر کھینچتے ہی دروازہ پھٹ سے کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی شیر نے دہاڑ ماری۔ شیر کی دہاڑ سن کر سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے بہت سے لوگ بے ہوش ہو گئے۔

شیر چھلانگ مار کر کوٹھری سے باہر نکلا اور لکڑ ہارے کے اوپر جھپٹا، ہزاروں آنکھیں لکڑ ہارے کو بوٹی بوٹی ہوتے دیکھنے کے لئے کھلی ہوئی تھیں۔لیکن یہ کیا ہوا؟

سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ شیر تو لکڑ ہارے کے قدموں میں پڑا ہوا تھا اور اس طرح دُم ہلا رہا تھا جیسے کوئی پلا ہوا کتا......اور لکڑ ہارا اس کے جھبرے بالوں والے سر پر اپنا ہاتھ پھیر رہا تھا۔سب کی زبان سے نکلا''ارے یہ کیا ہوا؟''

بات یہ ہوئی کہ یہ وہی شیر تھا جس کے پاؤں کا کانٹا لکڑ ہارے نے نکالا تھا۔شیر نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا اور اسے وہ احسان یاد آ گیا۔

لوگوں کے تعجب کی کوئی انتہا نہ تھی، جتنے منھ اتنی باتیں۔کوئی کہہ رہا تھا۔''دیکھا موت کا وقت نہ آیا ہو تو آدمی اسی طرح بچ جاتا ہے۔'' کوئی کہہ رہا تھا۔''جس نے اللہ کو اپنا آقا جانا وہ کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتا۔ چاہے جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔'' کوئی کہہ رہا تھا۔

''دیکھو، جانور بھی کیسا احسان مانتے ہیں۔ آدمی بڑا ناشکرا ہے۔'' کوئی کہہ رہا تھا۔ ''جانور تو ذرا سے احسان کرنے والے کا اتنا خیال رکھے اور انسان اپنے پیدا کرنے والے کو بھول جائے۔'' غرض یہ کہ اس واقعہ سے راجہ کی بات دو کوڑی کی ہوگئی پھر بہت سے لوگوں نے اس کے آگے سر جھکانے اور اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونے سے توبہ کرلی۔

اس کے بعد راجہ کی جو دھاک اس کی رعایا پر بیٹھی ہوئی تھی وہ دھیرے دھیرے کم ہونے لگی اور رعایا راجہ سے مخالف ہونے لگی۔ یہ بات راجہ کو بہت بُری لگی، راجہ دوبارہ اپنا رعب جمانے کے لئے لوگوں کے ساتھ بھی سختی کرنے لگا۔ اس نے لکڑہارے کو پھر جیل خانے میں بند کرادیا اور جو لوگ اس کے مخالف نظر آئے اور جنھوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ سب کو جیل خانے میں بند کرنا شروع کردیا۔ ادھر سب نے دیکھ لیا کہ لکڑہارے نے بادشاہ کے آگے سر نہ جھکایا اور بادشاہ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ بھوکے شیر کے پنجے سے بھی اس کی جان

بچ گئی۔ اللہ میاں نے اپنے بندے کی خوب مدد کی۔ ان تمام باتوں سے شہر کے سارے لوگ اچھی طرح سمجھ گئے کہ ہم لوگ جو راجہ کے سامنے سر جھکاتے تھے، یہ بات بالکل غلط تھی۔ لکڑہارے نے ایسا نہیں کیا تو اللہ میاں نے اس کی جان اپنی رحمت سے بچا دی۔ انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ اب آج سے ہم لوگ بھی راجہ کے سامنے سر نہیں جھکایا کریں گے اور جو بات اللہ میاں کے خلاف ہے، اس کو مٹانے کی کوشش کریں گے اور یہی نہیں بلکہ لکڑہارے کو اپنا سردار مانیں گے اور اس سے اچھی باتیں معلوم کر کے اسی راستے پر چلیں گے۔

اِدھر راجہ کی رعایا نے راجہ کے خلاف یہ بات سوچی اور اُدھر راجہ کو اس بات کی دن رات فکر رہنے لگی کہ کون سا راستہ اختیار کروں کہ پھر ساری رعایا کو اپنے قبضہ میں کر لوں۔ بہت سوچنے کے بعد اس کی سمجھ میں یہ ترکیب آئی کہ جتنے لوگ گرفتار ہو چکے ہیں اگر سب کو قتل کرا دوں یا آگ کا ایک الاؤ لگوا کر سب کو اس میں جلوا دوں، تو سب لوگ ڈر کے مارے پھر میرا حکم ماننے لگیں گے۔

یہ سوچ کر راجہ نے دوسرے دن آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ لگوایا اور اس میں لکڑیاں جلوائیں۔ جب آگ خوب بھڑک اٹھی تو راجہ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ پہلے ہماری رعایا کے اس لکڑ ہارے کو اس آگ کے اندر پھینک دو۔ سپاہیوں نے بے چارے لکڑ ہارے کو اچھی طرح سے رسیوں میں جکڑ لیا۔

وہ اسے آگ میں پھینکنے والے ہی تھے کہ اچانک بہت تیز ہوا کے ساتھ مغرب کی طرف سے کالی کالی گھٹائیں اٹھیں اور ایک طوفان برپا ہوگیا۔ بہت زوروں سے بارش ہونے لگی اور اتنی بارش ہوئی کہ ساری آگ ایک دَم بجھ کر ٹھنڈی ہوگئی اِس طرح لوگ راجہ کی سزا سے صاف بچ گئے۔ انھیں راجہ کو گدّی سے ہٹانے کا ایک اچھا موقع مل گیا۔ راجہ کو گدّی سے اتار دیا گیا اور سب لوگوں نے مل کر لکڑ ہارے کے سر پر تاج رکھ دیا۔ سچ ہے:

جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے۔

اللہ کے سوا کسی کو بڑا نہیں جانتا۔

اس کے سوا کسی کے آگے سر نہیں جھکاتا۔

اس کے ہر حکم کو ہر وقت مانتا ہے۔

تو اللہ اس کو آخرت میں تو بہت بڑا مرتبہ دیتا ہی ہے۔ کبھی کبھی دنیا میں بھی اس پر رحمت نازل کرتا ہے۔



جنگل کا بادشاہ

کسی جنگل میں ایک شیر رہتا تھا۔ سب جانور اس کو اپنا راجہ مانتے تھے۔ شیر کا ایک بچہ تھا۔ بڑا خوب صورت، بالکل اپنے باپ جیسا۔ شیر نے اس کو سارے داؤں گھات سکھا کر پکّا کر دیا تھا۔ جب بوڑھا شیر مرنے لگا۔ تو اس نے اپنے بچے سے کہا۔ ''شیرو! اب میں مرنے کے قریب ہوں۔ ہر جینے والے کے لئے موت ضروری ہے۔ یہی اللہ کا قانون ہے۔ ویسے تو تم ہر طرح ہوشیار ہو۔ پھر بھی ایک نصیحت تمہیں اور کرتا ہوں۔ تم اس پر عمل کرنا۔ یوں تو تم کو جنگل کے کسی جانور سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن آدمی سے بچے رہنا۔ اللہ نے اُسے بڑی طاقت دی ہے۔''

شیر کے بعد شیر کا بچہ جنگل کا راجہ بنا۔ سب جانور اس سے ڈرتے

تھے۔مگر وہ اپنے باپ کی آخری بات کو بھولا نہیں تھا۔وہ آدمی کو دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر وہ کیا بلا ہے۔جس سے بچے رہنے کی میرے باپ نے نصیحت کی ہے۔

ایک دن وہ آدمی کی تلاش میں نکلا۔ بہت دیر تک اِدھر اُدھر پھرنے کے بعد ایک گھوڑا ملا۔ بہت چالاک، چھلانگیں لگاتا اور کودتا ہوا۔اس کی پھرتی، چالاکی اور ہوشیاری کو دیکھ کر شیر کے بچے نے جی میں سوچا۔شاید یہی آدمی ہے۔ڈرتے ڈرتے اس کے پاس گیا۔ ادب سے کھڑا ہوا اور پوچھا۔''کودو بھیّا! کیا تم آدمی ہو؟'' گھوڑا یہ سن کر بھوچنگا رہ گیا اس کے منھ سے گھاس کا گچھّا چھوٹ گیا۔ بے چارے نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

''اے جنگل کے راجہ! میں تو گھوڑا ہوں، گھوڑا۔آدمی کو اللہ نے سب سے اچھا بنایا ہے۔اُسے بڑی عقل دی ہے۔ہم سب کو اس کی خدمت کے لئے بنایا ہے۔وہ ہم سے جیسے چاہتا ہے، کام لیتا ہے۔''

گھوڑے کی یہ بات سن کر شیر کا بچہ آگے بڑھا۔آگے بڑھا تو میاں اونٹ دکھائی دیئے۔گھوڑے سے چار ہاتھ اونچے۔بانس جیسی

لمبی ٹانگیں، لمبی گردن۔ سوچا، ہو نہ ہو یہی آدمی ہے۔ آگے بڑھ کر ادب سے پوچھا۔ ''لمبو میاں! کیا تم آدمی ہو؟'' اونٹ بولا۔ ''نہیں بھائی! میں تو اونٹ ہوں، اونٹ۔ آدمی کو تو اللہ نے سب سے اچھا بنایا ہے۔ اسے بڑی عقل دی ہے۔ ہم سب کو اس کی خدمت کے لئے بنایا ہے۔ وہ ہم سے جیسے چاہتا ہے، کام لیتا ہے۔''

شیر کا بچہ آگے بڑھا۔ چلتے چلتے راستے میں ہاتھی دکھائی دیا۔ وہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح اٹھا چلا آ رہا تھا۔ کتنا بڑا ڈیل ڈول، بڑے دانت آگے کو نکلے ہوئے۔ موٹے موٹے پیر جیسے کھمبے، چوڑے چوڑے کان جیسے سوپ اور پھر منہ پر سب سے عجیب چیز، سونڈ۔ خدا کی پناہ! شیر کے بچے کو یقین ہو گیا۔ ہو نہ ہو، یہی آدمی ہے۔ کتنا بڑا ہے یہ۔ ڈرتے ڈرتے اس کے پاس گیا۔ ادب سے سلام کیا اور پھر پوچھا۔ ''موٹو میاں! کیا آپ آدمی ہیں؟''

ہاتھی نے یہ سن کر شیر کے بچے کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ وہ اس کی نادانی پر ہنسا۔ پھر نرمی سے بولا۔ ''نہیں بھائی! میں تو ہاتھی ہوں،

ہاتھی۔ آدمی کو تو اللہ نے سب سے اچھا بنایا ہے۔ اسے بڑی عقل دی ہے۔ ہم سب کو اس کی خدمت کے لئے بنایا ہے۔ وہ ہم سے جیسے چاہتا ہے، کام لیتا ہے۔"

اتنے بڑے ہاتھی کی بات سن کر شیر کا بچہ اور بھی سوچ میں پڑ گیا۔ کہ میں کبھی آدمی کے سامنے نہیں جاؤں گا۔ معلوم نہیں وہ کتنا بڑا ہوگا۔ جو اتنے بڑے ہاتھی سے بھی کام لیتا ہے۔ یہ سوچ کر وہیں سے گھر لوٹ پڑا۔ لیکن خدا کا کرنا، اسی جنگل میں ایک بڑھئی لکڑیاں چیر رہا تھا۔ ایک بڑے لٹھے میں پھنّی لگی ہوئی تھی اور بڑھئی آرا چلا رہا تھا۔ شیر کے بچے نے سوچا۔ یہ بھلا آدمی کیا ہوگا۔ ہے ہی کتنا سا۔ بہت کمزور مگر لاؤ اس سے پوچھ لیں، شاید اس نے آدمی کو دیکھا ہو۔"

وہ بڑھئی کے پاس گیا۔ پوچھا "کیا تم نے کبھی آدمی کو دیکھا ہے؟" پہلے تو بڑھئی ڈرا۔ پھر ہمت کر کے بولا۔ "میں آدمی ہی تو ہوں، کہئے آپ کا کیا کام ہے؟"

یہ سن کر شیر کا بچہ بہت زور سے ہنسا اور حقارت سے کہا۔ "ارے!

کیا تو ہی وہ ہے، جس کی خدمت کے لئے گھوڑا، اونٹ اور ہاتھی پیدا کئے گئے ہیں۔ تجھے تو میں ذرا کی ذرا میں ختم کئے دیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر شیر کا بچہ آگے بڑھا، تاکہ بڑھئی کا کام تمام کر دے۔ لیکن بڑھئی نے ہمّت سے کام لیا۔ اور شیر کے بچے سے بولا۔ ''ذرا ٹھہرو، سچ مچ اللہ نے آپ کو بڑی طاقت دی ہے لیکن اس سے کیا ہوتا ہے مجھے بھی اللہ نے بڑی عقل دی ہے۔

دیکھو، میں اتنا بڑا لٹّھا چیر رہا ہوں۔ میں نے اس میں یہ پھنّی لگائی ہے، تم سے ہو سکے تو ذرا اس چھوٹی سی پھنّی ہی کو نکال کر دکھاؤ۔ پھر مجھ پر طاقت آزمانا۔''

شیر کا بچہ یہ سن کر زور سے ہنسا، بولا۔ ''یہ بھی کوئی بات ہے۔ لو، یہ رہی تمہاری پھنّی'' یہ کہہ کر ایک ہاتھ سے لٹّھے کے چیرے ہوئے ایک ٹکڑے کو کھینچا اور دوسرے ہاتھ سے پھنّی نکالی۔ پھنّی تو نکل گئی لیکن پھنّی کے نکلتے ہی چیرے ہوئے لٹّھے کے دونوں حصے مل گئے اور شیر کے بچے کا پنجہ اس میں دب کر رہ گیا۔

اَب بڑھئی نے کہا۔ ''دیکھا تم نے آدمی کو۔ ہوں تو بہت چھوٹا اور کمزور، مگر اللہ نے مجھ کو ایسی چیز دی ہے جو تم جانوروں کو نہیں ملی۔ وہ ہے میری عقل۔ اسی سے کام لے کر میں بڑے بڑے کام کرتا ہوں اور اپنے بنانے والے کا شکر ادا کرتا ہوں۔''

